

اُردو لسانیات کے بنیادی مباحث

Basic discussions of Urdu linguistics

Dr. Azeemullah Jundran

S.S.T Govt. High School, Dhunni Kalan, Mandi Baha-ud-Din.

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi

Head, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore.

Received on: 04-01-2022

Accepted on: 06-02-2023

Abstract

This research paper envisages the overview of linguistics. Linguistic study was limited to only the historical and comparative study of languages prior to the establishment of Pakistan. Then, it was focused upon the only explanatory of study of languages. Only those dictionaries came into being whose orientation was majorly textual. Urdu and Persian dictionaries played an important role in the dissemination of urdu linguistics before the existence of Pakistan. Structuralism, stylistics, Formalism and phonology also got promotion in that era. The commendable services of the orientalist cannot be overlooked in this regard.

Keywords: Linguistics, Structuralism, stylistics, Lexicography, Orientalism, Explanatory Linguistics.

قدیم زمانے میں لسانیات کو گرامر (صرف ونحو) یا علم اللغۃ یعنی علم اللسان کہا جاتا تھا۔ اُس وقت یہ علم سادہ اور اپنی ابتدائی منزلوں میں تھا۔ لسانیات نے ایک قدم آگے رکھا۔ یہ گرامر کی چہار دیواری توڑ کر باہر آئی تو اس کا نام ”علم اللغۃ“ کی جگہ ”فقه اللغۃ“ قرار پایا۔ گرامر کا یہ اگلا قدم لسانیات ہے جسے قدیم زبان میں ”فقه اللغۃ“ اور جدید زبان میں ”لسانیات“ کہتے ہیں۔ لسانیات کو ماہرین نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) عام لسانیات (General Linguistics) (۲) اطلاقی لسانیات (Applied Linguistics)۔ مطالعہ کے حوالہ سے لسانیات کی مندرجہ ذیل شاخوں میں بھی تقسیم کی گئی ہے: عصری لسانیات، عصریاتی لسانیات، عصری لسانیات کے تحت ہی تقابلی لسانیات کا بھی ذکر آتا ہے۔ عصریاتی لسانیات کے تحت تاریخی لسانیات کا تذکرہ ملتا ہے۔ زمانوں کی وضاحت میں جب تحریر کی بجائے تقریری زبان کو اولیت دی جانے لگی تو توضیحی لسانیات اجاگر ہوئی جسے زبانی لسانیاتی مطالعہ بھی کہا جاتا ہے۔ توضیحی لسانیات میں ”صوتیات“ کا خصوصی مطالعہ اجاگر ہوا۔ اس تحریری اور مرحلہ وار تقسیم کے بعد ارتقائی طور پر معنویاتی لسانیات کو فروغ حاصل ہوا۔ اردو لسانیات اسی پیرائے میں مرحلہ وار ترقی کی منازل طے کرتی گئی۔ یہ مقالہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

لسانیات، ایک ایسا شعبہ تعلیم ہے جس کے تحت ہم کسی زبان کا سائنسی مطالعہ کرتے ہیں۔ لسان اور انسان دونوں کا دائرہ عمل اگرچہ مختلف ہے لیکن اس کے باوجود ان کے بیچ کے مضبوط اور گہرے رشتے سے انکار ممکن نہیں۔ انسان کے بغیر جہاں لسان کا تصور نہیں کیا جاسکتا، وہیں

لسان کے بغیر انسان کا وجود ادھور اور نامکمل ہے۔ یہ خدا کی عطا کردہ وہ شے ہے جو انسان کو تکمیلیت فراہم کرتی ہے اور اسے اشرف المخلوقات کے درجے پر لاکھڑا کرتی ہے۔ جانور اس سے محروم ہے۔ اسے یہ نعمت حاصل نہیں لیکن خدا نے انسان کو زبان جیسی نعمت ودیعت کی ہے اس لیے وہ حیوان ناطق کہلاتا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا یہ زبان انسان کو شروع سے ہی حاصل ہے، یعنی کھانے، پینے اور رونے ہنسنے کے ساتھ بولنے کا عمل بھی اس نے عالم وجود میں آنے کے ساتھ ہی شروع کر دیا یا یہ ایک ارتقائی عمل ہے۔ جو تہذیب و تمدن اور دیگر شے کی طرح وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو میسر ہوئی۔ اس ضمن میں ہمیں مختلف نظریے ملتے ہیں جو ان امور پر بحث کرتے ہیں کہ زبان کیوں پیدا ہوئی؟ کیسے ہوئی؟ اور اس نے ترقی کی منزلیں کس طرح طے کیں؟ ان نظریوں میں دو نظریے اہم ہیں۔ ایک الوہی یا الہامی نظریہ اور دوسرا ارتقائی نظریہ۔^(۱) یہ دونوں نظریے ایسے ہیں جو شروع سے ہی لوگوں کو متاثر کرتے رہے ہیں۔

الوہی اور طبعیاتی نظریے کے مطابق زبان خدا کی ودیعت کردہ ہے یعنی خدا نے آدم و حوا کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد انھیں الہاماً زبان سکھادی اور وہ گفتگو کرنے لگے۔ برہمن پنڈتوں کا لسانی نظریہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ویدوں کی زبان دیوبھاشا ہے جو آکاشوانی کے ذریعے وید رشیوں کو سکھائی گئی۔ دیگر قوموں کے پیشتر علمائے دین بھی زبان کو الہامی قرار دے کر اسے خدا کی ودیعت کردہ شے مانتے ہیں۔^(۲) لیکن کچھ ایسے ماہرین لسانیات بھی ہیں جو زبان کو ودیعت فطری نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس میں ارادہ اور ارتقا کا پورا دخل ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ انسان جب عالم وجود میں آیا تب اس کے پاس دیگر تہذیبی وسائل کی طرح زبان بھی اپنی ناقص شکل میں موجود تھی، یعنی وہ غوں غوں تو کرتے تھے لیکن اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ان کے پاس کوئی واضح لفظ اور خیال نہیں تھا۔ وہ اشارے کنایے اور اچھل کود کے سہارے اپنے احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے ان میں سماجی ضرورتوں کا احساس بیدار ہوا، لوگ ایک ساتھ رہنے لگے، ضرورتیں بڑھیں اور آپسی لین دین کے مسئلے سامنے آئے۔ ایسے میں ترسیل و ابلاغ کے لیے ایک ایسے وسیلے کی ضرورت پڑی جس سے ان کی باتوں کی وضاحت بہتر ڈھنگ سے ہو سکے۔ لہذا انسان جب انفرادی زندگی سے آگے بڑھ کر اجتماعی زندگی جینے لگا تو پھر اسے زبان کی ضرورت محسوس ہوئی اور تب زبان کا وجود ہوا۔ زبان کے وجود کے بعد ضرورتیں جوں جوں بڑھتی گئیں زبان تشکیل پائی گئی اور وہ لوگ جو پہلے پہل صرف غوں غوں اور اشارے کنایے سے اپنا کام چلا لیتے تھے اب کچھ الفاظ منہ سے ادا کرنے لگے۔ ایسی کوششیں برہنہ جاری رہیں۔ وقت گزرتا رہا، الفاظ دھیرے دھیرے جملے کی شکل اختیار کرتے رہے اور پھر جملے ترتیب وار ادا ہونے لگے، جس نے آگے چل کر زبان کی شکل اختیار کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اپنے خیال کی ترسیل اور اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کے لیے ہی زبان کی ایجاد کی، جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت سے پہلے زبان کے لفظی و اصطلاحی مفہام سے واقفیت لازمی ہے۔ ”لسان“ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ”زبان“ کے ہوتے ہیں۔ عربی میں ”لسان“ کا اصل معنی ”گوشت کا ٹکڑا“ ہوتا ہے جو ہمارے منہ میں دانتوں کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے ہم اپنی خوراک کے ذائقے بھی معلوم کرتے ہیں۔ فارسی میں اسے ”زبان“، انگریزی میں ”Tongue“ اور ہندی میں ”بھاشا“ کہتے ہیں۔ عربی، فارسی اور انگریزی میں اسی لفظ سے وہ آوازیں بھی مراد لی جاتی ہیں جن کے ذریعے ایک انسان اپنے سماجی رشتے کو

مضبوط اور پائیدار بنتا ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

”انسانی خیالات اور احساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوت گویائی شامل ہے اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے اور جس وقت چاہے اپنے ارادے سے دہرا سکتا ہے۔“ (۳)

جب کہ تشکیل الرحمن نے زبان کی یہ تعریف بیان کی ہے:

”زبان جذبات کے اظہار کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے۔ زبان جذبات کی سانس ہے۔ اس سانس کی خوشبو سے انسان کی سرمستی قائم رہتی ہے۔ یہ سانس اکھڑ جائے تو جذبات کی لہریں خاموش ہو جائیں۔ ساری خوشبو اڑ جائے، سارے گیت اداس ہو جائیں اور شہد کی مٹھاس اور شیرینی باقی نہ رہے۔“ (۴)

زبان کی تعریف میں E.H. Sturtevant بیان کرتا ہے:

"A Language is a system of arbitrary vocal symbols by which members of a social group cooperate and interact." (5)

یعنی زبان خود سے اختیار کی گئی صوتی علامات کا ایک ایسا نظام ہے جس کی مدد سے کسی سماجی گروہ کے افراد آپس میں تعاون کرتے اور مختلف چیزوں سے متعلق اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارے ماہرین لسانیات نے اس خیال سے کلی اتفاق کیا ہے کہ انسانی خیالات و جذبات کی وضاحت کے لیے زبان الفاظ کی صورت میں صوتی علامتوں کا کام انجام دیتی ہے جس کے ذریعے ہم آپس میں اپنے احساسات کی ترسیل کرتے ہیں۔ لہذا ان مخصوص علامتوں کا کسی مخصوص معنی سے رشتہ لازمی ہے، تبھی ہم آپسی ردِ عمل کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو انسان اپنے احساسات کی ترسیل اشاروں اور کناہوں سے بھی کر لیتا ہے لیکن اسے ہم زبان کا نام نہیں دے سکتے کیوں کہ ان میں وہ مخصوص معنی پنہاں نہیں ہوتے جو الفاظ میں ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اشارے کناہیے سے آمنے سامنے تو باتیں ہو سکتی ہیں لیکن غائبانہ میں اس کا کوئی وجود نہیں رہ جاتا، جب کہ زبان، حاضر، غائب دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ آوازیں گرچہ جانوروں کو بھی حاصل ہیں لیکن ان میں اظہار کی وہ صلاحیت نہیں جو انسان میں ہے۔ اسی لیے جانوروں کو حیوان مطلق اور انسان کو حیوان ناطق کہا گیا ہے۔

اس طرح یہ بات تو واضح ہو گئی کہ زبان سے کیا مراد ہے؟ اس کا وجود کیوں کر عمل میں آیا اور انسانی زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ لیکن زبان کیسے وجود میں آئی ہے؟ کیا زبان کا معنی سے کوئی فطری رشتہ ہے؟ ابتدا میں پوری دنیا میں ایک ہی زبان بولی جاتی تھی یا الگ الگ جگہوں پر الگ الگ زبانوں نے جنم لیا یا پھر یہ کہ کیا زمانے کے ساتھ ساتھ زبانیں بھی بدلتی رہتی ہیں؟ یہ اور اس طرح کے کئی ایسے سوالات ہیں جو ہمیشہ انسانی ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ لہذا جس علم کے تحت پردہٴ خفا میں پڑے ان سوالوں کی گرہ کشائی ہوتی ہے اور زبانوں کے دیگر اسرار و رموز سے ہم آشنا ہوتے ہیں، سائنس کی زبان میں اسے ہی ”علم لسانیات“ یعنی زبانوں کا علم کہتے ہیں۔ لسانیات، دراصل زبانوں کا وہ علم ہے جس کے اندر وسیع تر معانی پنہاں ہیں۔ یہ علم زبانوں کو ایک نئی زندگی، توانائی اور پہچان ہی عطا نہیں کرتا بلکہ زبانوں کے خاندان، ان

کے آپسی رشتے، زبانوں کے ایک دوسرے پر پڑنے والے اثرات اور بدلتے ہوئے منظر نامے میں ان کے مختلف رویے سے بھی روشناس کراتا رہتا ہے۔ لسانیات کا علم دوسرے علوم کے مقابلے زیادہ پرانا نہیں لیکن باوجود اس کے، اس کے ابتدائی نقوش ہمیں زمانہ قدیم سے ہی ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن باضابطہ ایک علم کی حیثیت سے اسے پہچان انیسویں صدی کے نصف آخر میں حاصل ہوئی۔ اس محدود وقت میں ہی یہ علم آج ہماری زندگی کا ایسا ٹوٹ حصہ بن چکا ہے جس کے بغیر زندگی کے ارتقا کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بات چاہے سماج کی ہو یا انسانی تہذیب و تمدن اور اس کے ارتقا کی، زبان اور زبان کے علم کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ کسی بھی قوم اور ملک کی زبان کے مطالعے سے وہاں کی تہذیب و تمدن کے ارتقا کا پتہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں روزمرہ کی زندگی میں آپسی تعلقات قائم رکھنے، رسوم و رواج کی پائیداری، خیالات کی افہام و تفہیم اور قومی زندگی کی تعمیر و تنظیم میں زبانوں کا جو رول ہوتا ہے وہ کسی سے چھپا نہیں۔ زبانوں کے استعمال کے ان مختلف پہلوؤں کی پائیداری اور اس کو مضبوطی لسانیات ہی عطا کرتی ہے۔ اس علم کی روشنی میں کسی زبان کے بر محل اور صحیح استعمال کی جستجو کی جاسکتی ہے۔ دوسروں کی زبانیں جلد از جلد سیکھی جاسکتی ہیں اور سب سے بڑھ کر کسی بھی زبان کی حفاظت کی ضمانت ہمیں لسانیات کے ذریعے ہی مل سکتی ہے۔ غرض، آج کے اس ترقی یافتہ دور میں ہم لسانیات کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔ لسانیات کی اصطلاح پر نظر ڈالیں تو لسانیات، لسان سے بنی ہے۔ جس کے معنی زبان کے ہوتے ہیں۔ لسانیات کو انگریزی میں Linguistics کہتے ہیں۔ لسانیات دراصل وہ علم ہے جس کے ذریعے زبان کی اصلیت و ماہیت، اس کی ساخت، فروغ، دائرہ عمل اور تغیرات جیسے مسائل پر غور و خوض ہوتا ہے اور ان سب کا طریقہ کار معروضی اور سائنٹفک ہوتا ہے۔ بقول ڈیوڈ کرٹل:

”لسانیات کا علم سائنٹفک طریقے سے زبان کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس علم کا موضوع زبان ہے۔ علی العموم ایک زبان اور بالخصوص کئی زبانیں۔“ (۶)

جب کہ مرزا خلیل احمد بیگ اپنی کتاب ”لسانی تناظر“ میں یوں رقم طراز ہیں:

”لسانیات زبان کے سائنسی مطالعے کا نام ہے۔“ (۷)

ڈاکٹر اقتدار حسین خاں کا بھی یہی خیال ہے وہ لکھتے ہیں:

”زبان کے سائنسی طریقے سے مطالعے کو لسانیات کہا گیا ہے۔“ (۸)

غرض، تمام ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ لسانیات زبان کے سائنسی مطالعے کا نام ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سائنسی لہجہ کیا ہے اور ہم اسے ایک سائنسی مطالعہ کیوں کہتے ہیں؟ دراصل یہ لسانیات کا جدید روپ ہے جسے ہم سائنسی مطالعے سے محمول کرتے ہیں ورنہ زبان اور زبانوں سے دلچسپی اور باب علم و ادب کو بہت پہلے سے ہی رہی ہے، بلکہ اس کا عمل دخل ہمیں اس وقت سے ہی ملنا شروع ہو جاتا ہے، جب قدیم تہذیبوں میں بولی اور تحریر کے ماخذ کو جادو اور مذہب کے ساتھ جوڑا جاتا تھا۔ دوسری جانب زبان سے عالمانہ دلچسپی رکھنے کا عمل قدیم ترین زمانے میں بھی پایا جاتا ہے جن میں یونان اور روم کا قدیم عہد بھی شامل ہے اور جس کا سلسلہ چوتھی صدی قبل مسیح میں

افلاطون سے شروع ہو کر پری شین (Prician)، ویرو (Varro)، سی سرو (Cicero)، اسٹواکس (Stoics) اور ارسطو (Aristotle) کی تحریروں تک جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لیس سیزر (Julius Seasar) نے بھی قواعد کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ مذہب سے جڑی ہوئی ہندوستان کی قدیم تہذیب میں بھی اس کی جھلک ملتی ہے۔^(۹) پانی نے ”اشادھیائے“ لکھ کر علم زبان کی ایک بڑی مثال پیش کی تھی۔ عرب عالموں کے یہاں بھی اس سے متعلق پیش کش ہوئی لیکن بغور جائزہ لیں تو ان سب کا طریقہ کار محدود اور سائنٹفک مطالعے سے کوسوں دور ہے۔ ان کا دائرہ کار صرف و نحو کی حد بند یوں میں گھرا تھا۔ وہ زبان کے قواعد اور اصول کو ہی زبان سے متعلق علم کا سب سے بڑا مقصد جانتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی سوچ اور فکر میں تبدیلی آئی اور وہ قواعد اور اصول سے آگے بڑھ کر زبانوں کے ارتقا، اس کی نوعیت، نہج، سمت و رفتار اور اس کے تاریخی پس منظر اور دیگر زبانوں سے اس کے آپسی تعلقات پر بھی توجہ دینے لگے۔ بیسویں صدی میں اس نے اور ارتقا پائی اور زبانوں کے سائنٹفک مطالعے کا آغاز ہوا۔ اس طرح زبانوں کا وہ مطالعہ جو صرف قواعد اور اصول پر مبنی تھا، بیسویں صدی تک آتے آتے اس نے زبانوں کے تمام پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ اب اس میں زبانوں کے قواعد و اصول اور تاریخی عوامل سے ہی بحث نہیں کی جاتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے صوتی، صوری اور معنوی پہلوؤں پر بھی توجہ صرف کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اس علم کو ”علم زبان (Philology)“ کی بجائے ”لسانیات (Linguistics)“ جیسی وسیع اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لسانیات کے ارتقا کی اس تاریخ کو شوکت سبزواری نے ان جملوں میں بیان کیا ہے:

”قدیم زمانے میں لسانیات کو گرامر (صرف و نحو) یا علم اللغۃ یعنی علم اللسان کہا جاتا تھا۔ اس وقت یہ علم سادہ اور اپنی عمر کی ابتدائی منزلوں میں تھا۔ اس کے مسائل، گرامر اور لغت کے مسائل و مباحث سے گڈ مڈ تھے۔ حد فاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان امتیازی خط نہیں کھینچا جاسکتا تھا۔ لسانیات نے ایک قدم آگے رکھا اور گرامر کی چہار دیواری توڑ کر باہر آئی تو اس کا نام ”علم اللغۃ“ (زبان کا علم) کی جگہ ”فقتہ اللغت“ (زبان کا فلسفہ) قرار پایا۔ آج ہم گرامر کے اس اگلے قدم کو ”لسانیات“ کہتے ہیں۔ لسانی مسائل کا پہلا قدم گرامر تھا۔ دوسرا قدم قدیم زبان میں ”فقتہ اللغۃ“ اور جدید زبان میں ”لسانیات“ ہے۔“^(۱۰)

مطالعہ کے زاویے

لسانیات کے دائرہ عمل کو دیکھتے ہوئے ماہرین لسانیات نے عام طور پر اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔^(۱۱)

۱۔ عام لسانیات (General Linguistics)

۲۔ اطلاقی لسانیات (Applied Linguistics)

عام لسانیات

یہ لسانیات کی وہ شاخ ہے جس میں زبان سے متعلق تمام اصول و ضوابط کو لسانیاتی نقطہ نظر سے پرکھا جاتا ہے۔ اس میں زبان کی اصلیت، اصول اور تجربے پر بحث کی جاتی ہے۔ لسانیاتی مطالعے کے معنوی شعبے، ان کے اصول اور مروجہ قواعد سے اختلاف کی توضیح بھی پیش کی جاتی

ہے، گویا اس عام لسانیات میں ہم تاریخی، تقابلی اور تجرباتی لسانیات جیسے پہلوؤں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اطلاقی لسانیات

اسے عام لسانیات اور تجرباتی لسانیات کا عملی پہلو بھی کہتے ہیں۔ دوسرے علوم کے سیکھنے سکھانے یا زندگی کے دوسرے شعبے میں لسانیات کے اصول سے مدد لینے کا عمل دخل اطلاقی لسانیات کے دائرے میں ہی آتا ہے۔ جیسے بیرونی زبانیں سکھانا، ترجمے کی مشین بنانا، کسی زبان کا کوڈ تیار کرنا، کسی زبان یا بولی کا علاقائی جائزہ لینا وغیرہ۔ مذکورہ تقسیم کے علاوہ لسانیات کے مطالعے کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقے سے بھی کی جاتی ہے۔^(۱۲)

۱۔ عصری لسانیات (Synchronic Linguistics)

۲۔ عصریاتی لسانیات (Diachronic Linguistics)

عصری لسانیات

عصر کے معنی زمانہ ہوتا ہے۔ اس معنی کی مناسبت سے جب ہم کسی زبان کا مطالعہ کسی مخصوص دور یا زمانے میں کرتے ہیں تو اسے عصری لسانیات کا نام دیتے ہیں۔ زبانوں کا مطالعہ جب کسی مخصوص زمانے میں کیا جاتا ہے تو عموماً ساختیاتی یا تجرباتی مطالعہ مد نظر ہوتا ہے۔ اس طرح کے تجربے کو علم کی زبان میں ”بیانی“ یعنی Descriptive کہتے ہیں، جس کے لیے اردو میں ”توضیحی لسانیات“ کی اصطلاح رائج ہے۔

عصریاتی لسانیات

اس شعبے میں زبانوں کا مطالعہ زمانے کے تسلسل کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ یہاں زبانوں کا عصریاتی مطالعہ کئی طرح سے عمل میں آتا ہے۔ اگر عہد بہ عہد زبان کی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جائے تو اسے تاریخی لسانیات (Linguistics Historical) کہتے ہیں۔ اگر ایک ہی عہد کی کئی زبانوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اسے عصری بولی کا علم (Dialectology Synchronic) کہتے ہیں۔ اگر خاندان کی دو زبانوں کا تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے تو تقابلی لسانیات (Linguistics Comparative) کہتے ہیں اور مختلف خاندان کی زبان کا تقابلی مطالعہ ہو تو اسے نوعیات (Typology) کہا جاتا ہے، (اس میں زبانوں کے دو مختلف اقسام کا مطالعہ کیا جاتا ہے)۔ غرض کہ لسانیات کے اس شعبے کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ زبانوں کے مطالعے میں ابھی تک جن شعبوں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اور جن شعبوں نے قدیم اور جدید لسانیات کے درمیان خط امتیاز کھینچا ہے وہ شعبے ہیں تاریخی لسانیات اور توضیحی لسانیات کے۔ اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ تقابلی اور اطلاقی لسانیات نے بھی اپنی ایک الگ پہچان قائم کر لی ہے۔ لیکن ان میں تقابلی لسانیات، جہاں تاریخی لسانیات کا ہی ایک حصہ ہے، وہیں اطلاقی لسانیات، لسانیات کی ایک اضافی صورت ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان کے مطالعے میں لسانیات کا تاریخی اور توضیحی شعبہ ہی سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ان میں تاریخی لسانیات میں جہاں زمانے کے ساتھ ساتھ زبان کی تبدیلی اور ارتقا کا مطالعہ کیا جاتا ہے وہیں تجرباتی لسانیات سے کسی بھی زبان کے ڈھانچے اور ساخت کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ انھیں تفصیلی طور پر ہم اس طرح سمجھ سکتے ہیں:

تاریخی لسانیات

لسانیات کا یہ شعبہ نہایت قدیم ہے۔ اس شعبے میں زبانوں کی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کیا جاتا ہے تاکہ عہد بہ عہد ان کی تبدیلیوں کا پتہ لگایا جاسکے۔ یہ تبدیلیاں ظاہری اور باطنی کسی بھی سطح پر ہو سکتی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا صرف تلفظ ہی نہیں بدلتا بلکہ اس کی قواعد اور اس کے معنی میں بھی کسی حد تک فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض حالات میں زبانیں ناپید بھی ہو جاتی ہیں۔ تاریخی لسانیات میں ہم ان اصولوں اور قواعد کا مطالعہ کرتے ہیں جن کے سبب زبانوں میں مختلف قسم کی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور ان کی شکلیں بدلتی چلی جاتی ہیں۔

توضیحی لسانیات

یہ لسانیات کا ایسا شعبہ ہے جس میں زبان کی توضیح اس کی تمام لسانی سطحوں پر کی جاتی ہے۔ اس میں زبانوں کی توضیح میں تحریری کی بجائے تقریری زبان کو اولیت دی جاتی ہے۔ اس میں زبان کی ہر سطح پر صرف آوازوں کا ہی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ آوازوں کی ادائیگی، اس کے زیر و بم، تلفظ، درجہ بندی اور اس کی مختلف اکائیوں کا مطالعہ توضیحی لسانیات کے ذیل میں آتا ہے۔ اسی بنا پر موجودہ دور میں آوازوں کو بنیاد بنا کر کسی زبان کے مطالعے کا رواج عام ہوا ہے، خصوصاً ”علم صوتیات“ تو پوری طرح اسی پر منحصر ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ زبانوں کا مطالعہ خالص لسانیاتی نقطہ نظر سے کیا جائے تو وہ توضیحی لسانیات کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم اسے ایک زبانی لسانیات بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں متعدد زبانوں کی بجائے کسی ایک زبان کا مطالعہ ہی مختلف سطحوں پر کیا جاتا ہے۔ توضیحی لسانیات کی یہ سطحیں مندرجہ ذیل ہیں:

توضیحی لسانیات

- ۱۔ صوتیات ۲۔ تجزئہ صوتیات ۳۔ صرفیات ۴۔ نحویات ۵۔ معنیات

صوتیات (Phonetics)

توضیحی لسانیات میں صوتیات کو خاص اہمیت حاصل ہے، جس کا انحصار اصوات یعنی آوازوں پر ہے۔ اسے لسانیات کی کلید بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں آوازوں کے علامتی اور تصوراتی نظام کو زبان کہتے ہیں۔ ہمارے منہ سے جو آوازیں نکلتی ہیں وہ آوازیں دوسری متعدد آوازوں سے مل کر زبانوں کو جنم دیتی ہیں۔ کسی بھی زبان کی ادائیگی میں ان آوازوں کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ اس کے بغیر زبان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ آوازیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ لہذا ان آوازوں کی گروہ بندی، ان کے آپسی رشتے کا تعین، مخرج اور اس کی ساخت اور ماہیت کی جانچ صوتیات کے ذیل میں ہی آتی ہے۔ اس علم کے ذریعے دنیا کی تمام زبانوں کی آوازوں کی درجہ بندی بھی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے اس تریلی دور میں علم صوتیات کی ترقی اپنی منزلوں کو چھو گئی ہے۔ عام طور پر صوتیات میں آوازوں کے مطالعے کو تین اہم خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

- ۱۔ تلفظی صوتیات (Articulatory Phonetics)

- ۲۔ سمعیاتی صوتیات (Acoustic Phonetics)

سر سمعی صوتیات (Auditory Phonetics)

اول الذکر میں اس بات کا مطالعہ کیا جاتا ہے کہ تکلمی صورت کی ادائیگی اعضاء تکلم کس طرح کام کرتے ہیں، دوئم میں بولنے اور سننے والے کے درمیان دوران ترسیل تکلمی صورت کی طبعی خصوصیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے، جب کہ سمعی صوتیات کا تعلق آوازوں کے سننے اور ان کے ادراک سے ہے۔^(۱۳)

تجزیاتی صوتیات (Phonemics)

اسے اردو میں ”تجزیاتی صوتیات“ یا ”فونیمیات“ بھی کہتے ہیں۔ فونیمیات دراصل لسانیات کی وہ شاخ ہے جس میں ہم کسی زبان میں استعمال ہونے والی اہم اور تقابلی آوازوں کا مطالعہ اور اس کا تعین کرتے ہیں۔ یوں تو کسی زبان میں آوازوں کی کل تعداد زیادہ ہو سکتی ہے لیکن واقعتاً ان کی تقابلی اہمیت چند آوازوں تک ہی محدود ہوتی ہے۔ جیسے اردو میں کل فونیموں کی تعداد ۵۸ ہے۔ لہذا فونیمیات میں ہم انہی چند محدود آوازوں کی پہچان اور ان کا تعین کرتے ہیں۔ ان تقابلی اکائیوں کو لسانیات کی زبان میں فونیم کہتے ہیں۔ اس طرح صوتیات میں ہم جہاں آوازوں کی طرز ادائیگی اور ان کے مخرج کا جائزہ لیتے ہیں وہیں فونیمیات میں ہم ان آوازوں کی پہچان اور ان کے آپسی ساختی رشتے کا مطالعہ کرتے ہیں۔

صرفیات (Morphology)

صرفیات کو ”مارفیمیات“ بھی کہتے ہیں۔ یہ لسانیات کی وہ شاخ ہے جس میں لسانیاتی نقطہ نظر سے الفاظ کی ساخت، اس کے اصول و قواعد اور اس کے استعمال سے بحث کی جاتی ہے۔ کسی بھی زبان کی چھوٹی سے چھوٹی اکائیوں کا مطالعہ اسی شعبے کے ذیل میں آتا ہے۔ جیسے الفاظ کی جنس، ان کی تعداد، ان کے حالات، کیفیات، زمانہ، اضداد وغیرہ کا مطالعہ۔^(۱۴)

نحویات (Syntax)

کسی زبان میں الفاظ کی مخصوص اور با معنی ترتیب کو نحویات کہتے ہیں۔ یہ وہ ترتیب ہے جس سے کسی زبان کی نحوی ساخت کے اصول مرتب ہوتے ہیں۔ لہذا کسی بھی زبان میں جملوں کی ساخت اور جملوں میں لفظوں کی ترتیب کے قاعدوں کا مطالعہ نحویات کے ذیل میں آتا ہے مثلاً رفع نے گانا گایا، یہ اردو نحو کے اعتبار سے صحیح ترتیب ہے۔ اگر اسے ہم اس طرح کہیں: گانا گایا رفع نے، تو اس کے اظہار میں پیچیدگی کا احساس ہوتا ہے۔ نحویات انہی جملوں کی صحیح ترتیب سکھاتی ہے۔ صرف و نحو کو ملا کر زبان کی قواعد کو ”Etymology“ کا نام دیتے ہیں۔

معنیات (Semantics)

لفظ یا جملے کے اندرونی معنی کی تلاش معنیات کے ذیل میں آتی ہے۔ لہذا وہ علم جس میں ہم لفظوں اور جملوں کے مطالب و مفہیم کا مطالعہ کرتے ہیں، اسے علم معنیات کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان مفہیم کا زبانوں پر کیا اثر پڑتا ہے، نیز کسی بھی لفظ اور اس کے مفہوم کے بیچ کیسار شنتہ ہے، یہ رشتہ منطقی ہے یا علامتی ان سب کا علم جس سطح پر ہم حاصل کرتے ہیں انہیں ہی ہم علم معنیات کہتے ہیں۔^(۱۵) مذکورہ بالا اقسام اور ان

کے شعبوں کے علاوہ لسانیات کی مندرجہ ذیل قسمیں بھی اپنے شعبے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں:

تقابلی لسانیات (Comparative Linguistics)

تقابلی لسانیات میں تاریخی اعتبار سے ان زبانوں کا تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے، جن کا آپس میں کوئی رشتہ ہوتا کہ ان کی مادہ زبانوں کا پتہ لگایا جاسکے، جن سے بعد میں دیگر زبانیں نکلیں اور پھر وقت اور حالات کے تحت ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں۔ ولیم جونسن نے تقابلی لسانیات کے ذریعے ہی یہ پتہ لگایا کہ ہندوستان کی سنسکرت زبان کا ماخذ وہی ہے جو یورپ کی دیگر زبانوں جسے جرمنی، فرانسیسی، انگریزی وغیرہ کا ہے۔ اس طرح یہ زبانیں آپس میں بہنوں کا رشتہ رکھتی ہیں۔ غرض کے تقابلی لسانیات کے ذریعے بہت سے ایسے راز منکشف ہوتے ہیں جن سے دیگر زبانوں کے آپسی رشتے کو سمجھا جاسکے۔

بولیوں کا علم (Dialectology)

عموماً یہ مشاہدے میں آتا ہے کہ کوئی ایک زبان ایک ہی زمانے میں مختلف جگہوں پر مختلف روپ میں فروغ پا رہی ہے۔ علاقے کے ساتھ ان میں تبدیلیاں بھی در آتی ہیں۔ لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کہ اس پر سماج، جغرافیہ یا طبقے کا بھی اثر پڑتا ہے یا یہ اپنے آپ بدلتی چلی جاتی ہیں۔ اس طرح کے کئی ایسے سوالات ہیں جن کا مطالعہ اس علم کے تحت کیا جاتا ہے۔ اس علم کے زبانوں اور اس کی مختلف بولیوں کے علاقے بھی مقرر کیے جاتے ہیں جسے بولی جغرافیہ کہتے ہیں۔

لسانی زمانیات (Glatto Chronology)

یہ لسانیات کا ایک نیا شعبہ ہے، جس کے ذریعے لسانیات کو ریاضی کے انداز پر ڈھالا جا رہا ہے تاکہ اعداد و شمار کی عمر کا تعین ہو سکے۔ ایک صدی میں کسی بھی زبان کے ذخیرے میں کتنے فیصد الفاظ میں تبدیلی آتی ہے یا پھر دو نزدیکی قرابت دار زبانوں میں الفاظ کے اختلاف کے مقدار کو دیکھ کر یہ پتہ لگانا کہ یہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے کب جدا ہوئیں یا پھر ان کے اشتراک کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا یہ ایک دوسرے سے کب ملیں، سب کا جائزہ لسانی زمانیات میں آتا ہے۔ ساتھ ہی اس علم کے ذریعے ایک لسانی برادری کے مختلف ذیلی گروہوں کی نقل مکانی کا زمانہ بھی معلوم کیا جاتا ہے۔^(۱۶)

جائزے کے اصول (Field Method)

زبانوں کے صحیح نمونے کی تدوین کرنے کے اصول اسی شعبہ لسانیات میں مرتب کیے جاتے ہیں۔ اسی اصول ترتیب اور تدوین متن کے سہارے قدیم کتابوں یا آرکائز کے مخطوطات کو ان کی اصل زبان اور اصل صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

لسانی عتیقیات (Paleontology Linguistic)

جس شعبہ لسانیات میں قدیم زبانوں کی مدد سے ماقبل تاریخ، عصری تاریخ اور مختلف قدیم تہذیبوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے اسے لسانی عتیقیات کہتے ہیں۔ یعنی وہ قدیم تہذیبیں جو آج دنیا کے صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں، ان کی باقیات آج بھی ان کی قدیم کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جن کی

زبانوں کے مطالعے سے اس وقت کی تہذیبوں کا پتہ لگانے کا کام لسانیات کے اسی شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔^(۱۷)

مدون اللغات (Lexicology)

کسی بھی زبان کی لغت ترتیب دینے سے پہلے کچھ اصولوں کو سامنے رکھتے ہیں اور ان اصولوں کے مد نظر ہی مختلف قسم کی لغت ترتیب دی جاتی ہیں۔ مثلاً موضوعاتی لغت، ذولسانی لغت وغیرہ۔ لہذا وہ اصول جو ان لغات کے مرتب کرتے وقت ہمارے سامنے ہوتے ہیں وہ لسانیات سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

اسلوبیات (Stylistics)

اسلوبیات، لسانیات کی ایک ایسی شاخ ہے جس کا تعلق کلی طور پر ادب اور اس کے اسلوب سے ہوتا ہے۔ اس میں دریافت کیا جاتا ہے کہ کن آوازوں اجزائے الفاظ کی تکرار اور کمی بیشی سے اسلوب میں جان پڑتی ہے۔ انھی اصولوں کے مد نظر ہم کسی شاعر یا فن کار کی زبان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یوں تو ادب کی زبان کا مطالعہ ایک ادبی نقاد بھی کرتا ہے لیکن وہ زبانوں کے علاوہ ان بہت ساری چیزوں پر بھی نظر رکھتا ہے، جن کا استعمال اس کی پیش کش میں ہوتا ہے، جب کہ لسانیاتی اسلوبیات میں ہم ہر سطح پر کسی بھی فن پارے کی زبان اور زبان کا ہی مطالعہ کرتے ہیں۔ بقول گوپی چند نارنگ:

”اسلوبیات، وضاحتی لسانیات کی وہ شاخ ہے جو ادبی اظہار کی ماہیت، عوامل اور خصائص سے بحث کرتی ہے اور لسانیات چوں کہ سماجی سائنس ہے اس لیے اسلوبیات، اسلوب کے مسئلے سے تاثراتی طور پر نہیں بلکہ معروضی طور پر بحث کرتی ہے، نسبتاً قطعیت کے ساتھ اس کا تجزیہ کرتی ہے اور مدلل سائنسی صحت کے ساتھ نتائج پیش کرتی ہے۔“^(۱۸)

ساختیات (Structuralism)

ساختیات کا تعلق زبانوں کی ساخت اور اس کی بناوٹ سے ہے۔ کوئی بھی نظریہ، فکر یا خیال زبان کے ذریعے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ عام طور پر اس زبان کو جس کے سہارے فن کار اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے اسے ایک ذریعہ تصور کیا جاتا ہے، جو فن کار کے ذہن تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتا ہے، لیکن ماہر ساختیات کا ماننا ہے کہ زبان ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ بذات خود اس کے اندر ہزار ہا معانی پنہاں ہوتے ہیں۔^(۱۹) ضروری ہے کہ اس کی ساخت تجزیہ و تعین کرنے کے بعد ہی اس کے اندرونی معنی کی تہہ تک پہنچا جائے تاکہ مقصد کی باریابی ہو سکے۔ چوں کہ یہاں بھی زبان اور اس کے مطالعے کے ذریعے مقصد کی باریابی ہوتی ہے۔ اس لیے ساختیات کا تعلق لسانیات کے ساتھ گہرا ہے۔

نشانیات (Semiotics)

نشانیات گرچہ ایک آزاد علم ہے لیکن لسانیات سے بھی اس کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ نشانیات میں دراصل علامات کے استعمال اور ان کے دائرہ کار سے بحث کی جاتی ہے۔ ہماری زندگی اور معاشرے نیز ہمارے گرد و پیش کی دنیا میں نشانات کا ایک مکمل نظام پایا جاتا ہے جس کا مطالعہ نشانیات کا اصل مقصد ہے۔ لہذا زبان بھی ایک طرح کا نظام نشانیات (Sign System) ہے جو بے حد پیچیدہ اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ بقول فرڈی

مینڈی سیور :

”زبان بذاتِ خود ایک نظام کا نام ہے جس کی بنیاد نشانیات پر قائم ہوتی ہے۔“ (۲۰)

اس طرح نشانیات اور لسانیات کے گہرے رشتے واضح ہیں کیوں کہ جب ہم لفظ اور خیال کا مطالعہ کرتے ہیں تو لسانیات اور نشانیات کا تصور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو جاتا ہے۔

شخصی بولی کا مطالعہ (Linguistic Ontogeny)

یہ ایک انفرادی مطالعہ ہے جس کے ذریعے ہم کسی شخص کی پیدائش سے لے کر اس کی وفات تک ادا کی جانے والی بولی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کا اصول یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان کے تمام نشیب و فراز کا وقت بہ وقت مطالعہ کرنے کے بعد ایک ڈائری تیار کی جاتی ہے اور آخر میں اس کے مطالعے کے ذریعے کسی بھی شخص کی بچپن سے بڑھاپے تک بولی جانے والی زبانوں کی مختلف نوعیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ لسانیات کی مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ اس کی مندرجہ ذیل شاخیں بھی ہیں جنہیں اطلاقی لسانیات کا نام دیا جاتا ہے۔

اطلاقی لسانیات

سماجی لسانیات (Socio Linguistics)

زبان اور سماج دونوں کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ ایک جانب زبان لوگوں کو سماجی بندھنوں میں باندھتی ہے تو دوسری جانب زبان سماج میں پلٹی، بڑھتی اور ترقی کے منازل طے کرتی ہے۔ اس طرح سماج اور زبان کے مابین رشتے کی جستجو جس علم کے تحت ہم کرتے ہیں اسے ہی ہم سماجی لسانیات کہتے ہیں۔ سماجی اعتبار سے زبان کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں، سماج کا زبان پر کیا اثر پڑتا ہے یا پھر سماج کے مختلف طبقوں یا پیشہ وارانہ لوگوں کی زبانوں میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ ان ساری باتوں کا مطالعہ سماجی لسانیات کے دائرہ عمل میں آتا ہے۔

نفسیاتی لسانیات (Psycho Linguistics)

لسانیات کو سمجھنے میں نفسیاتی مطالعہ کافی معاون ہوتا ہے۔ انسان جو کچھ بولتا ہے اس سے اس کا نفس کھل کر سامنے آتا ہے اور اس نفس کے مطالعے میں ہم جانچ پرکھ کے مسائل سے دور چار ہو کر جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اسے ہی نفسیاتی لسانیات کا نام دیتے ہیں۔ زبان کے سیکھنے سے یاد کرنے اور ذہن پر اس کے اثرات پڑنے، جیسے نفسیاتی مطالعے اسی لسانیاتی شاخ کے دائرہ عمل میں آتے ہیں۔

لسانیات اور ترسیل (Linguistics & Communication)

زبان کی ساخت، فطرت، تلفظ، اخراج اور آوازوں کے سہارے جب کوئی اپنی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے اور اس کے انداز ترسیل کو جب ہم پرکھتے ہیں تو یہ سب لسانیات اور ترسیل کے ذیل میں ہی آتے ہیں۔

لسانیات اور ترجمہ (Linguistics and Translation)

کسی بات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں۔ ترجمہ بظاہر جتنا آسان لگتا ہے اتنا ہی یہ مشکل فن ہے۔ کسی بھی

بات کو اس کی اصل زبان سے دوسری زبان میں من و عن منتقل کرنے میں کامیابی تبھی ملتی ہے جب مترجم دونوں زبانوں کے ماحول اور مزاج سے اچھی واقفیت رکھتا ہو۔ لہذا ترجمہ شدہ مواد کو اصل اور ترجمے کو لسانی سطحوں پر جانچنے اور فرق متعین کرنے کا کام ہم لسانیات اور ترجمہ میں کرتے ہیں۔

لسانیات اور تدریس (Linguistics & Teaching)

زبان کے سیکھنے سکھانے کے لیے لسانیات کا علم بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ جب کوئی مدرس لسانیات کا ماہر ہوتا ہے تو وہ زبان کو بڑے سلیقے سے دوسروں کو سمجھا پاتا ہے۔ وہ زبان کی صوت، تلفظ اور قواعد سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے لہذا انصاب اور تدریس میں بنیادی اصولوں سے کام لیتا اور کامیاب ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا جن شاخوں کا ذکر کیا گیا، لسانیات میں آج ان کی ایک مستقل حیثیت بن چکی ہے لیکن ان کے علاوہ دنیا کے دیگر علوم و فنون سے بھی لسانیات کے گہرے رشتے ہیں۔ بقول محی الدین قادری زور:

”صرف اساتذہ السنہ ہی کو لسانیات سے دلچسپی نہیں بلکہ بعض دیگر علوم و فنون کے ماہرین کو بھی اس کی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ نفسیات، فلسفہ، عمرانیات اور بشریات پر تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں لسانیات کی مدد ناگزیر ہوتی ہے۔“ (۲۱)

ان رشتوں کی مندرجہ ذیل نوعیتیں بتائی گئی ہیں۔

بشریات اور لسانیات (Anthropology & Linguistics)

جس علم کے تحت انسانوں کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کرتے ہیں وہ علم بشریات کہلاتا ہے۔ اس علم میں انسانوں کی تاریخ، سماجیات، معاشیات اور ادب کا مطالعہ لسانی سطح پر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے لسانیات کی اس شاخ کو تہذیبی بشریات بھی کہا جاتا ہے۔ ماہرین بشریات کو لسانیات کی اس شاخ سے بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ مختلف تہذیبوں کا مطالعہ اسی علم کے ذریعے کرتے ہیں۔ اس سے قواعدی اور لفظی معنی کے سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

فلسفہ اور لسانیات (Philosophy & Linguistics)

لسانیات کا فلسفہ سے بہت پرانا رشتہ ہے۔ مشہور عالمی فلاسفر افلاطون نے سب سے پہلے ہمیں یہ بتایا کہ لفظ اور اس کے معنی میں کوئی فطری اور اندرونی لگاؤ ہوتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح ارسطو نے بھی قواعد کی سطح پر اسم، فعل اور صفات کی خصوصیات واضح کی اور بتایا کہ ”اسم“ میں کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کا جوہر پوشیدہ ہوتا ہے۔ ”فعل“ سے کسی کام کی واقفیت ہوتی ہے اور ”صفات“ سے اچھائی یا برائی کا پتا چلتا ہے۔ اس کے بعد کے فلسفیوں میں سپیر (Sapir) اور وہارف جیسے ماہرین لسانیات نے یہ بتایا کہ انسان کے دیکھنے اور سوچنے کا عمل اس کی زبان کی ساخت سے متاثر ہوتا ہے۔ اس طرح لسانیات کا فلسفہ سے بھی بہت قدیم رشتہ ہے۔ (۲۲)

نفسیات اور لسانیات (Psychology & Linguistics)

زبان ایک ذہنی عمل ہے۔ زبان کیسے بولی جاتی ہے، کیسے سمجھی جاتی ہے، مادری اور غیر مادری زبان کے سیکھنے میں کیا گرانی اور دشواری ہوتی

ہے، یہ سب نفسیاتی مسائل ہیں۔ اسی لیے لسانیات کے اس شعبے میں انسانی ذہن کا مطالعہ کیا جاتا ہے تاکہ نفسیات کے ذریعے انسان کے جذبات و تاثرات اور اس کے ذہنی اور ارتقا کو سمجھا جاسکے اور اس کے بعد ہی مخصوص قوموں کی درجہ بندی ہوتی ہے۔

ادب اور لسانیات (Literature & Linguistics)

کوئی بھی ادب زبان کی بنیاد پر ہی فروغ پاتا ہے۔ کیوں کہ ادب کی تخلیق کا ذریعہ زبان ہوتی ہے اور جب نقاد اس تخلیق کا زبان اور فکر کی سطح پر مطالعہ کرتے ہیں تو یہ مطالعہ ادب اور لسانیات کے ذیل میں آتا ہے۔ ہر زبان کا ادب اس زبان کی ساخت سے گہرے طور پر وابستہ ہوتا ہے، کسی زبان کے ذخیرہ الفاظ، اس کی خاص ترتیب سے جمالیاتی تاثر کا اندازہ لسانیات کے اسی شعبے سے لگایا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف زبانوں کے مطالعے میں بھی ادب سے کافی مدد ملتی ہے۔ زبانوں کے آغاز و ارتقا کا مطالعہ کرتے وقت ہم جن کتابوں یا ملفوظات کا انتخاب کرتے ہیں ان میں زیادہ تر کا تعلق ادب سے ہی ہوتا ہے۔ اس طرح ادب کی قدیم کتابوں کے مطالعے سے ہم دنیا کی بیشتر زبانوں کے آغاز و ارتقا کے رجحان کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا علوم کے علاوہ زبان کے مطالعے میں علم عضویات (Physiology)، علم طبیعیات (Physics)، علم ریاض (Mathematics) اور تاریخ (History) جیسے علوم سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ مختلف انسانی قوموں کی جسمانی ساخت اور منہ کے اندرونی حصوں کا علم ان قوموں کی آوازوں کے جائزے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً صوتیاتی مطالعے کے لیے ان اعضاء نطق کا مطالعہ ناگزیر ہوتا ہے جو علم عضویات کے بغیر ممکن نہیں۔ آواز کا ہوا کی لہروں پر جانا، مصوتہ اور نفی آوازوں سے ہوا پر مختلف لہروں کا بننا جیسے موضوعات علم طبیعیات کے ذیل میں آتے ہیں۔ لسانیات تاریخ سے بھی متعلق ہے۔ تاریخ کا مطالعہ مختلف قوموں کے باہمی تصادم، تجارتی تعلقات اور تہذیبی اختلاف کے متعلق مواد فراہم کرتا ہے، غالب اور مغلوب کی زبانوں کے میل جول اور اس کے نتائج پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ اسی طرح جغرافیہ اور لسانیات کا بھی نہایت گہرا رشتہ ہے۔ پہاڑی علاقے کی بولیاں محدود ہوتی ہیں جب کہ میدانی علاقے میں زبان دور تک پھیلتی ہے، ان کا مطالعہ جغرافیہ کے ذریعے ہی کیا جاتا ہے۔ شہروں اور مقامات کے جغرافیائی نام سے بھی زبان کی فطرت اور اس کے ارتقا کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اسی طرح سماجیات اور لسانیات کے تعلق سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سماجیات کی روشنی میں الفاظ کے معنی کی بلندی اور پستی کو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ جدید دور میں ریاضیات سے بھی اس کا رشتہ اٹوٹ بن چکا ہے۔ بعض اوقات اعداد و شمار کے ذریعے جب ہم کسی زبان کی قدمت اور اس کی اصل کا پتہ لگاتے ہیں تو وہاں ہماری نظر ریاضیات کی جانب ہی ہوتی ہے۔ بلاشبہ وقت کے ساتھ ساتھ لسانیات کا دائرہ اور وسیع ہوا ہے آج زندگی کے تمام شعبے میں کسی نہ کسی طرح یہ اثر انداز ہے۔ شعبہ معالجات کو ہی لے لیں۔ چھوٹے بچے میں ہکلا نے کی بیماری عام طور پر پائی جاتی ہے۔ یہ ہکلا ہٹ کیوں ہوتی ہے، اس کی زبان کیسے سدھاری جاسکتی ہے یا پھر گونگوں میں بات کرنے کی صلاحیت کیسے پیدا کی جاسکتی ہے؟ ان سب مسائل کے حل کی تلاش لسانیات کے ذریعے ہی کی جاتی ہے۔ اس کے لیے خصوصاً لسانیات کے شعبہ صوتیات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خفیہ ایجنسیوں اور جاسوسی محکمے میں بھی لسانیات کا سہارا لے کر پیچیدہ سے پیچیدہ حل تلاش کرنے اور چھپے راز منکشف کرنے کی حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے۔ کسی زبان کی ترقی اور اس کی حفاظت کا دار و مدار بھی بہت حد تک اس

زبان کی لسانیات پر ہوتا ہے۔ ہر ایک زبان اپنی قوم یا تہذیب سے گہرے طور پر وابستہ ہوتی ہے جو اس کی پہچان بن جاتی ہے۔ ایسے میں کسی قوم یا تہذیب کو زیر کرنے کا ایک بہتر طریقہ اس کی مادری زبان پر حملے کرنا ہے مثلاً اس کارسم الخط بدل دینا یا پھر اس زبان کو دوسری زبان میں ضم کر دینا، یہ ایسے واقعات ہیں جن سے حفاظت لسانیات کے بغیر ممکن نہیں۔ ایسے حالات میں لسانیات بہتر راستے دکھاتی ہے اور مختلف طرح کے تاریخی، ادبی اور لسانی واقعات کا سہارا لے کر کسی زبان کو اس کا صحیح منصب اور صحیح مقام عطا کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو لسانیات کے مطالعے کے دامن نہایت وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں لسانیات کا سہارا لے کر بڑے بڑے مسائل سلجھانے اور نئے نئے علوم پر عبور حاصل کرنے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

لسانیات کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت

مذکورہ تمام بیانات سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آج لسانیات کا علم زندگی کے ہر شعبے میں کسی نہ کسی سطح پر اثر انداز ہے۔ دراصل لسانیات کا تعلق ہماری زندگی کے اس حصے سے ہے جس کے بغیر ہماری زندگی کا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگرچہ ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ ہم ایک اچھی بھلی زبان بولتے ہیں اور وقت ضرورت ہم اس کے ذریعے اپنے خیالات کی ترسیل بھی کرتے ہیں، پھر زبانوں کی پیدائش، اس کے ارتقا اور اس کے عروج و زوال کی معلومات سے ہمیں کیا حاصل؟ ایسے معصوم لوگوں کو یہ بات ضرور مد نظر رکھنی چاہیے کہ زبان ہمارے خیالات کی ترسیل کا صرف ایک ذریعہ ہی نہیں بلکہ ہماری تہذیب اور ہمارے کلچر کی پہچان ہوتی ہے اور اگر ہمیں اس پہچان کو بنائے رکھنا ہے تو پھر اس کے بارے میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی معلومات کی فراہمی لازمی ہے اور یہ معلومات ہمیں لسانیات کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ایک علم کی حیثیت سے بھی لسانیات کا مطالعہ اپنے اندر ڈھیر سارے پیغامات چھپائے ہوئے ہے جن کی گرہ کشائی اس کے مطالعے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس علم کو ہم پوری توجہ کے ساتھ اپنائیں اور اسے آگے بڑھانے کی سعی کریں۔ لسانیات جہاں ہمیں اپنی زبان کے سمجھنے اور بچائے رکھنے میں ہماری مدد کرتی ہے وہیں دوسری زبانوں سے رشتہ انسلک پیدا کر کے دنیا کے تمام افراد کو ایک رشتے میں جوڑنے کا کام بھی انجام دیتی ہے۔ بطور مثال ہم آٹھویں صدی کے اس حادثے کا ذکر کریں جب سرولیم جونسن نے ”کالی داس“ کے ”شکنتلہ“ کا ترجمہ کیا اور دوران مطالعہ اس پر یہ راز منکشف ہوا کہ سنسکرت، یونانی اور لاطینی زبانیں سب ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یورپ کے گورے اور ہندوستان کے کالے باشندے ایک ہی نسل سے ہیں۔ اس تحقیق سے اگرچہ انگریزوں کے احساس برتری کو دھچکا لگا، لیکن اس سے لوگوں میں وسعت نظری اور وسیع المشربی کا بھی دخول ہوا۔ قوموں کی طرح لسانیات بھی پوری بنی نوع انسان کو کئی حصوں میں تقسیم کرتی ہے لیکن یہ لسانی گروہ اتنے بڑے اور طاقتور ہیں کہ جس نے اکثر ملکی سرحدوں کو بھی مسمار کر دیا۔ مثلاً آئر لینڈ سے لے کر بنگال تک ایک ہی نسل کے لوگ موجود ہیں۔ انڈونیشیا اور افتادہ مدغا سکر کی زبان میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں اہل مدغا سکر چل کر انڈونیشیا تک پہنچے^(۳) اس طرح زبان کے مطالعے کے ذریعے ہم پیش پا افتادہ تواریخ سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔

دوسری جانب رسم الخط کی بات کریں تو اس کا مطالعہ بھی ہمیں ماضی کی ایک وسیع تاریخ کی جانب لے جاتا ہے۔ رسم الخط کے اشتراک کا پھیلاؤ زبان کے پھیلاؤ سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ مثلاً چین اور جاپان کے باشندے بہ ظاہر یکساں معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی زبانوں کا مطالعہ کریں تو ان میں کوئی یکسانیت نہیں۔ باوجود اس کے دونوں رسم الخط ایک ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ان دونوں کے بیچ کوئی لسانی اشتراک موجود تھا لیکن پھر وقت اور حالات نے انھیں ایک دوسرے سے اس طرح جدا کیا کہ آج یہ دو مختلف قومیں ہو گئیں لیکن رسم الخط کا اشتراک کسی نہ کسی صورت میں برقرار رہا۔ ہندوستان میں بنگالی اور آسامی زبانوں کے رسم الخط کو دیکھ کر بھی یہی احساس ہوتا ہے کہ ان دونوں زبانوں کے بیچ پہلے گہرا اشتراک تھا لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی آتی گئی اور آج یہ دونوں زبانیں الگ الگ نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ اس طرح مختلف زبانوں کے آپسی رشتے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں ہونے والی تبدیلیوں کا پتہ ہم لسانیات کے ذریعے آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ خود ہماری آریہ نسل کے باشندوں کا وطن کیا تھا، وہ ہندوستان کب تشریف لائے، ان کی بود و باش کیا تھی؟ اس طرح کے کئی ایسے سوالات ہیں جن کے جواب ہمیں خود قدیم آریائی زبانوں کے بعض الفاظ کے مطالعے سے مل جاتے ہیں۔ منجملہ یہ کہ زبانوں کے خاندان کے ساتھ ساتھ لسانیات، انسانی نسل اس کے خاندان اور اس کے پھیلاؤ کو سمجھنے میں ہمیں بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔ زبان دلوں کے جوڑنے کا کام کرتی ہے۔ لہذا زبان کی فطرت سے واقفیت سماجی کارکن کے لیے بھی ضروری ہوتی ہے۔ ایک سماجی کارکن جن لوگوں کے بیچ کام کرتا ہے ان لوگوں کی زبان مختلف ہو سکتی ہے، ان کی زبانوں کے ساتھ ساتھ ان کے لہجے میں بھی فرق ہو سکتا ہے۔ اس فرق کو جاننا اور اسی کے اعتبار سے زبانوں کو سیکھنا ایک کارکن کے لیے نہایت ضروری ہو جاتا ہے تاکہ زبان کے ذریعہ وہ ان کے دلوں میں اتر سکے۔ ہمارے یہاں اٹھارہویں صدی میں انگریزوں کا عمل دخل جب باضابطہ شروع ہو گیا تب ان لوگوں نے اپنے کام کاج کی خاطر یہاں کی زبانوں کا جاننا ضروری سمجھا۔ ایسے میں لسانیات سے ہی ان لوگوں نے مدد لی اور انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔ قومی سطح پر بھی لسانی مسائل کو حل کرنے کے لیے لسانیاتی نقطہ نظر کی ضرورت پڑتی ہے۔ معیاری زبان، قومی زبان، سرکاری زبان، علاقائی زبان، شہری زبان، دیہی زبان، کاروباری زبان اور نسوانی زبان وغیرہ ایسی کئی اقسام ہیں جنھیں سمجھنے اور ان کا مقام متعین کرنے کے لیے لسانی فطرت اور نقطہ نظر کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تبھی انصاف کے ساتھ ان تمام زبانوں کی انفرادی شناخت قائم کی جاسکتی ہے۔ غرض کہ لسانیات کی اہمیت و افادیت نہایت وسیع ہے جسے چند صفحات میں سمیٹنا آسان نہیں۔ یہ علم بالواسطہ یا بلاواسطہ ہماری زندگی کے تمام شعبے سے کسی نہ کسی صورت میں جڑا ہوا ہے۔ آج کی ترقی یافتہ زندگی میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ لہذا لسانیاتی تحقیق کا تقاضا ہے کہ اس کی جانب خاطر خواہ توجہ دی جائے تاکہ اس کے مزید روشن گوشے سے ہماری زندگی بہرہ ور ہو سکے۔

لسانیات، سائنس یا فن

لسانیات، سائنس ہے یا فن اس موضوع پر زمانہ قدیم سے بحث ہوتی چلی آرہی ہے۔ مشہور ماہر لسانیات میکس ملر اسے طبعی سائنس بتاتا ہے۔ جب کہ وہنٹنی (Whitney) اس بار پر مصر ہے کہ لسانیات، تاریخی سائنس کا ایک شعبہ ہے۔ لیکن جدید دور میں علم لسانیات نے جس

طرح اپنا چولہا بلا لے اسے دیکھتے ہوئے علمائے لسان کا کہنا ہے کہ لسانیات ایک سائنسی مطالعہ ہے، جس میں زبانوں کا مطالعہ سائنسی نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ لسانیات، ایک سائنسی علم کیسے ہے؟ اسے جاننے کے لیے سب سے پہلے ہمیں ان اصولوں پر نظر رکھنا لازمی ہے جن کی بنا پر سائنس، سائنس کہلاتی ہے۔ عام طور پر سائنس کو دو اور دو چار کے مصداق قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی لاگاپٹ نہیں ہوتی اور باتیں دو ٹوک بیان کی جاتی ہیں جب کہ فن کا آلہ کار یہ نہیں، اس کا تعلق اصل کے ساتھ ساتھ بہت کچھ تصوراتی دنیا سے ہوتا ہے۔ سائنس کی بنیاد علم پر قائم ہوتی ہے۔ یہ ہمیں چیزوں کا علم دیتی ہے، اس کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتی ہے اور حقائق سے آگاہ کرتی ہے۔ برخلاف اس کے فن ہمیں متاثر کرتا ہے، اس سے جذبہ و احساس بیدار ہوتا ہے اور یہ ہمیں حقیقت کے ساتھ ساتھ خوابوں کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ لہذا فن کو ایک ایسی سرگرمی اور عمل کا نام دیا جاسکتا ہے۔ جس کا مقصد کرنا ہے نہ کہ جاننا ہے۔ جب کہ سائنس کا مقصد صرف جاننا ہے۔ سائنس اغراض و مقاصد پر دھیان دیے بغیر علم کے جاننے میں سرگرم عمل رہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں ان کے نئے نئے راز منکشف ہوں۔ جیسے آئن اسٹائن نے ایٹمی طاقت دریافت کرتے وقت یہ ہرگز نہ سوچا ہو گا کہ اس کو ہیروشیما یا ناگاساکی پر گرایا جائے گا۔ اس نے صرف علم کی وسعت اور علم کی دلچسپی کے لیے سائنس کی خدمت کی۔ یہی انداز ایک ماہر لسانیات (Linguist) کا بھی ہوتا ہے۔ وہ کسی زبان کو بہتر یا مکمل یا میٹھی نہیں سمجھتا بلکہ اس زبان کو واقعیت پسندی سے جانتا ہے۔^(۲۴) اور اس کے تمام اصول و ضوابط اور خصوصیات ہمارے سامنے واضح کر کے رکھ دیتا ہے کہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو سکے۔ اس طرح لسانیات کی سائنسی خوبیاں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ انھیں مندرجہ ذیل طریقے سے بھی پرکھا جاسکتا ہے:

انتظام (System)

اس علم کے مطالعے کے وقت ضروری ہے کہ نظم اور باقاعدگی کا پورا خیال رکھا جائے۔ زبان کی وضاحت اپنے آپ میں ایک پیچیدہ امر ہے۔ اگر اس کے الجھے ہوئے ڈھانچے کو سلجھانے میں احتیاط نہ برتی جائے تو ہم کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا جب ایک ماہر لسانیات جب اس کا مطالعہ کرتا ہے تو باقاعدگی اور نظم و ترتیب کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے پہلے تکلم آوازوں کی ادائیگی اور مصوتوں و مصمتوں میں ان کی درجہ بندی کو واضح کرتا ہے، مخصوص زبان کی ممیز آوازوں اور ان سے ترتیب پانے والی صوت رکنی میتوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ پھر الفاظ کی ہیئت، جملوں اور فقروں میں ان کی ترتیب و تنظیم، باہمی ربط و تسلسل اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرتا ہے۔ اس طرح یہ سارا مطالعہ ایک تنظیم و ترتیب کے ساتھ مل میں آتا ہے۔ لسانیاتی مواد کے اس مطالعے اور توضیح و ترتیب کو علی الترتیب صوتیات، تجز صوتیات، صرف و نحو اور معنیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔^(۲۵)

معروضیت (Objectivity)

کسی بھی زبان کے سائنسی مطالعے کو معروضیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سائنسی مطالعے میں واقعیت پسندی لازمی ہوتی ہے۔ اس میں جذبات اور ذاتی پسند و ناپسند کا دخل نہیں ہوتا۔ اس لسانی مطالعے میں توضیح کی ہر سطح پر معروضی انداز فکر سے کام لیا جاتا ہے اور صرف مواد کی سطح پر

تجزیہ یا تنقید کی جاتی ہے۔ لسانیات کی ایک شاخ صوتیات کے مطالعے سے سیکڑوں بار بھی گزر جائے تو بھی وہی نتائج اور فیصلے سامنے آئیں گے جو پہلے آئے تھے۔ جیسے منہ سے نکلنے والی آوازوں میں پ، پھ، ب، بھ، وغیرہ دہلی آوازوں کو جتنی بار بھی ادا کریں ایک ہی سطح کی آواز نکلے گی۔

وضاحت (Explicitness)

لسانی مطالعے کی ایک اہم خصوصیت وضاحت ہے۔ کسی بھی سائنس کے مطالعے میں اس کے مسائل کے بیان اور بحث کے لیے زبان اور خیال کا واضح ہونا لازمی ہے۔ یعنی قطعیت کی اس میں بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اسی طرح لسانیات ایک ایسا علم ہے جس میں زبان کے مطالعے کے لیے زبان کا ہی سہارا لیا جاتا ہے۔ یعنی لسانیات کا مواد اور موضوع بھی زبان ہے اور اس کے مطالعے کا ذریعہ بھی زبان ہے۔ لسانیات میں زبان دوہرا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے اس کے استعمال میں نہایت احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ سائنس کی زبان کی طرح لسانیات کی زبان بھی حد درجہ قطعی ہوتی ہے۔ اس میں علامتی انداز کا کوئی دخل نہیں۔ اگرچہ تاریخی اور تقابلی لسانیات میں علامت اور ابہام کی دخل اندازی ہوتی تھی لیکن جیسے جیسے یہ علم تجزیہ اور توضیح کی جانب بڑھتا گیا اس کی زبان میں بھی قطعیت آتی گئی اور آج ایک سائنسی علم کی طرح ابہام و علامت کی دنیا کو یہ بھی ترک کر چکی ہے۔

مشاہدہ (Observation)

سائنس کے اصول، مطالعے پر مبنی ہوتے ہیں اور مطالعے کے لیے مشاہدے کا ہونا لازمی ہے۔ یعنی وہ چیزیں جنہیں ہم دیکھ سکیں، چھو سکیں اور ریکارڈ کر سکیں (محفوظ کر سکیں) انھی چیزوں کو مطالعے کی بنیاد بنائی جاتی ہے۔ اسی طرح لسانیات میں بھی صرف ان کلمات یا آوازوں کا مطالعہ کرتے ہیں جن کو واقعی سنا جاسکے اور باضابطہ انہیں مشینوں میں محفوظ کیا جاسکے۔ صرف محسوسات اور Feelings کی بنیاد پر ہم کسی معروضی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ لسانیات میں تحریر کی بجائے تقریر کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کیوں کہ لکھنے میں بہت سارے حروف زائد ہوتے ہیں لیکن تقریر میں استعمال ہونے والے سارے الفاظ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

مفروضات (Hypothesis)

سائنس کا یہ اصول ہے کہ کسی بھی چیز کے سلسلے میں تحقیق کرنے سے قبل ہم چند عارضی مفروضات قائم کرتے ہیں۔ ان مفروضات کو ایک ترتیبی شکل دیتے ہیں اور پھر اس کے مطابق اپنے مطالعے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کئی طرح کے تجربے کیے جاتے ہیں اور جب اس کی تصدیق مکمل ہو جاتی ہے تو اپنے نظریے کو مضبوطی فراہم کرتے ہیں۔ یعنی ان مفروضات کے صحیح یا غلط کا فیصلہ یہیں پر ہو جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح لسانیات میں بھی بولنے والے کی زبان کا مشاہدہ کر کے اس کے عارضی نتائج کی تصدیق کی جاتی ہے۔ یہ تصدیق فونٹیک لیب یا لینگوئیٹک لیب میں ہو سکتی ہے یا پھر کسی مخصوص، لسانی گروہ (Community Speech) کی بولیوں کے ذریعے بھی ماہر لسانیات اپنے نظریات کی تصدیق کر سکتا ہے۔ یہ تصدیق باضابطہ تجربہ گاہ (Laboratory) میں کی جاتی ہے۔ یہ تصدیق مکمل نہ ہونے پر ان مفروضات کو رد کر

دیتے ہیں اور دوسرے مفروضات لے کر پھر تحقیق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

آزادی (Autonomy)

خالص سائنس سے متعلق خصوصاً یہ بات لائق توجہ ہے کہ یہ اپنا نظریہ خود بناتی ہے اور اسی پر اپنی باتوں کو جانچتی اور پرکھتی ہے۔ یہ کسی دوسرے علم پر منحصر نہیں ہوتی۔ موجودہ دور میں لسانیات کا مطالعہ بھی بہت حد تک انہی خوبیوں کا حامل ہے۔ اگرچہ قبل زمانے میں اس کا مطالعہ صرف زبان تک محدود نہ تھا، اس کا استعمال زبانوں کو سدھارنے اور تقریر و تحریر کو بہتر بنانے کے لیے کیا جاتا تھا۔ لیکن آج توضیحی لسانیات میں زبان کا مطالعہ صرف زبان کے لیے کیا جاتا ہے اور یہی اس کے سائنٹفک اصول ہیں جو اسے سائنسی مدارج تک لے جاتے ہیں۔ ان تمام مفروضات و بیانات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ بعض باتوں میں لسانیات کا علم اپنے اندر قیمتی خوبیاں سمیٹے ہوئے ہے لیکن دیگر معاملے میں یہ خالص سائنسی مطالعے کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ خصوصاً موجودہ دور میں سائنسی نقطہ نظر سے اس پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے اور بڑھتے قدم کے ساتھ اس کی وسعت اور ہمہ گیری نے لسانیات کو جمالیات اور فن کے درپے سے اٹھا کر سائنس کی دنیا میں لاکھڑا کیا ہے۔

اس پورے مقالہ میں زیر بحث مختلف مباحث کے بعد مرزا خلیل احمد بیگ کا نقطہ نظر ”لسانیات زبان کے سائنسی مطالعہ کا نام ہے“ اور ڈاکٹر اقتدار حسین خان کا موقف ”زبان کے سائنسی طریقے سے مطالعہ کو لسانیات کہا گیا ہے“ نمایاں اور غالب نظر آتا ہے۔

اردو لسانیات کے بنیادی مباحث کے تناظر میں اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد نتیجتاً یہ تاثر جنم لیتا ہے کہ اردو لسانیات کا مطالعہ ارتقائی طور پر زبان کے تحریری مطالعہ سے زبانی مطالعہ، توضیحی مطالعہ، صوتیاتی مطالعہ کی طرف رواں دواں ہوا ہے۔ توضیحی مطالعہ کے فروغ سے معنویاتی اور اسلوبیاتی لسانیات اردو زبان کے دائرہ میں داخل ہوئی۔ توضیحی، معنویاتی اور اسلوبیاتی اردو لسانیات کی بنیاد پر ساختیاتی اور لفظیاتی لسانیات اردو زبان کے دائرہ میں پروان چڑھی۔ اردو لسانیاتی مطالعہ کے اس ارتقائی مرحلہ نے اردو لسانیات کے مطالعہ کے دائرہ کو لسانیات اور تدریس، لسانیات اور بشریات، لسانیات اور ادب جیسے موضوعات سے جوڑ دیا۔ یہ اس ارتقا کی ہی موجودہ صورت ہے کہ آج کے سائنسی دور میں اردو لسانیات ’سائنس‘ ہے یا ’فن‘ ہے۔ اردو لسانیات کے ماہرین کے حلقوں میں آج کل زیر بحث ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ اختر اورینو، بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۲
- ۲۔ عین الحق فرید کوٹی، اردو زبان کی قدیم تاریخ، لاہور: اورینٹ ریسرچ سنٹر، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۹
- ۳۔ زور، محی الدین قادری، ہندوستانی لسانیات، لاہور: مکتبہ معین الادب، ۱۹۶۱ء، ص: ۲۶
- ۴۔ شکیل الرحمن، زبان اور کلچر، علی گڑھ: شعبہ لسانیات، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۳ء، ص: ۹
5. E.H. Sturtevant-An Introduction to Linguistic Science, P:2
- ۶۔ ڈیوڈ کرشل، لسانیات کیا ہے؟ مترجم، نصیر احمد خاں، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۸ء، ص: ۵۹

- ۷۔ خلیل بیگ، مرزا، لسانی تناظر، دہلی: بابری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۹
- ۸۔ اقتدار حسین خاں، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۱
- ۹۔ ڈیوڈ کرٹل، لسانیات کیا ہے؟ مترجم، نصیر احمد خاں، ص: ۵۹
- ۱۰۔ شوکت سبزواری، لسانی مسائل، دہلی: پریوز بک ڈپو، ۱۹۶۲ء، ص: ۵-۶
- ۱۱۔ جین، گیان چند، عام لسانیات، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۱
- ۱۲۔ ایضاً، ص: ۲۱
- ۱۳۔ شمشاد زیدی، اردو زبان کا لسانی تجزیہ، ہماچل پردیش: اردو پیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لینگویج، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۱
- ۱۴۔ نصیر احمد خاں، اردو ساخت کے بنیادی عناصر، نئی دہلی: اردو بہار پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص: ۹۰
- ۱۵۔ جین، گیان چند، عام لسانیات، ص: ۲۸۲
- ۱۶۔ جین، گیان چند، لسانی مطالعے، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۷
- ۱۷۔ جین، گیان چند، عام لسانیات، ص: ۵۹۳
- ۱۸۔ نارنگ، گوپی چند، ادبی تنقید اور اسلوبیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۵
- ۱۹۔ وزیر آغا، تنقید اور جدید اردو تنقید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص: ۸۶
- ۲۰۔ خلیل بیگ، مرزا، مضمون، ادب اور نشانیات، مشمولہ: فکر و نظر، سہ ماہی، ستمبر ۲۰۰۱ء، ص: ۲۲
- ۲۱۔ زور، محی الدین قادری، ہندوستانی لسانیات، ص: ۱۹
- ۲۲۔ اقتدار حسین خاں، لسانیات کے بنیادی اصول، ص: ۱۹
- ۲۳۔ جین، گیان چند، عام لسانیات، ص: ۱۶
- ۲۴۔ اقتدار حسین خاں، لسانیات کے بنیادی اصول، ص: ۱۴
- ۲۵۔ خلیل بیگ، مرزا، لسانی تناظر، ص: ۲۲

References

1. Akhtar Orenvi, Evolution of Urdu Language and Literature in Bihar, New Delhi: Development Urdu Bureau, 1988, p.12
2. Ain-ul-Haq Farid Koti, Ancient History of Urdu Language, Lahore: Orient Research Centre, 1988, p.19
3. Zor, Mohi-ud-Din Qadri, Indian Linguistics, Lahore: Maktaba Moin-ul-Adab, 1961, p.26
4. Shakil-ur-Rehman, Language and Culture, Aligarh: Department of Linguistics, Muslim University, 1974, p.9
5. E.H. Sturtevant-An Introduction to Linguistic Science, P:2
6. David Crystal, What Is Linguistics? Translator, Naseer Ahmad Khan, New Delhi: Development Urdu Bureau, 1988, p.59
7. Khalil Baig, Mirza, Linguistic Perspectives, Delhi: Babri Publications, 1997, p.19
8. Sattar Hussain Khan, Doctor, Fundamental Principles of Linguistics, Aligarh: Educational Book House, 1985, p.11
9. David Crystal, What Is Linguistics? Translator, Naseer Ahmad Khan, p.59

10. Shaukat Sabzwari, Linguistic Issues, Delhi: Parvez Book Depot, 1962, p.5. 6
11. Jain, Gian Chand, General Linguistics, New Delhi: Development Urdu Bureau, 1985, p.21
12. Ibid., p. 21
13. Shamshad Zaidi, Linguistic Analysis of Urdu Language, Himachal Pradesh: Urdu Teaching and Research Centre Institute of Indian Language, 1981, p.11
14. Naseer Ahmad Khan, Fundamental Elements of Urdu Structure, New Delhi: Urdu Bihar Publications, 1991, p. 90
15. Jain, Gian Chand, General Linguistics, p.282
16. Jain, Gian Chand, Linguistic Studies, New Delhi: Development Urdu Bureau, 1991, p.17
17. Jain, Gian Chand, General Linguistics, p. 593
18. Narang, Gopichand, Literary Criticism and Stylistics, Lahore: Milestone Publications, 2007, p.15
19. Wazir Agha, Criticism and Modern Urdu Criticism, Lahore: Milestone Publications, 1985, p.86
20. Khalil Beg, Mirza, Essays, Literature and Signs, Content: Thought and Vision, Quarterly, September 2001 , p. 22
21. Zor, Mohi-ud-Din Qadri, Indian Linguistics, p.19
22. Sattar Hussain Khan, Fundamentals of Linguistics, p.19
23. Jain, Gian Chand, General Linguistics, p.16
24. Sattar Hussain Khan, Fundamentals of Linguistics, p.14
25. Khalil Beg, Mirza, Linguistic Commentary, p.22